طالب محسن

بھرے ہوئے ہاتھ

(مشکوٰۃ المصابیح حدیث:۹۲)

و عن أبی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : يد الله ملأی لا تغيضها نفقة سحاء الليل و النهار ، أرأيت ما أنفق مذ خلق السماء و الأرض ؟ فإنه لم يغض ما فی يده ، و كان عرشه علی الماء ، و بيده الميزان يخفض و يرفع۔

وفی رواية مسلم : يمين الله ملأی ۔ قال ابن نمير ملآن ۔ سحاء لا يغيضها شیء الليل و النهار۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ کوئی خرچ اس میں کمی نہیں کرتا، (یہاں تک کہ) صبح شام پانی کی طرح بہانا بھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ (اللہ تعالیٰ نے) جب سے یہ زمین و آسمان تخلیق کیے ہیں کیا کچھ خرچ کر ڈالا ہے۔ چنانچہ، اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس کا تخت پانی پر تھا۔ اس کے ہاتھ میں ترازو ہے، وہ اسے جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔

مسلم کی روایت میں ہے دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ ابن نمیر نے 'ملآن' روایت کیا ہے۔ صبح شام پانی کی طرح بہانے والا، کوئی چیز اس میں کمی نہیں کرتی۔''

لغوی مباحث

یـد اللّٰہ : 'ید' کا لفظ یہاں اللہ تعالیٰ کے خزائن کے بھرپور ہونے اور ہمہ وقت عطاو عنایت کی تعبیر کے لیے آیا ہے۔ اسی معنی کے لیے قرآن مجید میں 'یداہ مبسوطتان' (مائدہ ۵: ۶۴) کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

ملأی: یہ 'ملآن' سے 'فعلی' کے وزن پر مؤنث کا صیغہ ہے اور یہ 'یداللّٰہ' کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔ اس کے معنی بھرے ہوئے کے ہیں۔

لاتغیضھا: 'غاض یغیض' کا مطلب ہے کم کر دینا۔

سحاء اللیل والنھار: 'سحاء سح' سے اسم صفت ہے، جس کے معنی اوپر سے نیچے پانی بہانے کے ہیں۔ یہاں یہ دوسری خبر ہے اور اس کے معنی بے دریغ خرچ کرنے والے کے ہیں۔ دونوں خبریں بغیر حرف عطف کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نہ ہاتھوں کے بھرے ہونے میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ پانی کی طرح مال کے صرف ہونے میں کوئی کمی آتی ہے۔ 'اللیل و النھار' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

بعض روایات میں 'ید اللّٰہ ملأی' سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے: 'یا ابن آدم أنفق أنفق علیك' (آدم کے بیٹے، خرچ کر میں تم پر خرچ کروں گا)۔ یہ ایک اہم فرق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلا جملہ اس جملے کے لیے بطور استدلال آیا ہے۔ کچھ روایات میں 'ید اللّٰہ' کی جگہ 'یمین اللّٰہ' یا 'یمین الرحمن' کے الفاظ بھی روایت ہوئے ہیں۔ 'لاتغیضھا نفقة' کی بجائے 'لا یغیضھا شیء' یا 'سحاء لایغیضھا اللیل و النھار' بھی روایت ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جملہ کچھ روایات میں اس طرح مروی ہے کہ 'اللیل و النھار' بطور ظرف آئے ہیں اور 'یغیضھا' والا جملہ یا تو مروی نہیں یا اس میں فاعل کی حیثیت سے 'شیء' کا لفظ آیا ہے۔ 'أرأیتم' والا جملہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں 'میزان' والے جملے کے بعد ہے۔ کچھ روایات میں یہ جملہ 'أرأیتم' کی تمہید کے بغیر ہے اور اسی طرح اس جملے میں کچھ راوی 'لم یغض' کے بجائے 'لم ینقص' کے الفاظ روایت کرتے ہیں۔ 'بیدہ میزان' والا جملہ بعض روایات میں 'بیدہ الأخری میزان' یا 'بیدہ القبض أو القیض' کی صورت میں آیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے ان میں سے کوئی بھی فرق کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں اس روایت کے کچھ اجزا بیان ہوئے ہیں اور کچھ بیان نہیں ہوئے۔

معنی

اس روایت میں بھی سابقہ روایت کی طرح اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات بیان ہوئی ہیں۔ پہلی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے خزانے نعمتوں سے معمور ہیں اوران خزانوں سے یہ نعمتیں صبح وشام مخلوقات کواس طرح عطا کی جاری ہیں جیسے پانی بہایا جارہا ہو۔لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں اس سے کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ کے خزانے بے نہایت ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت کے لیے ہمارے سامنے موجود ایک عظیم حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔آپ نے فرمایا:تم اندازہ کرسکتے ہوکہ زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد سے آج تک اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ صرف کرڈالا ہے۔لیکن اس کے خزانوں میں اس سے ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔

اس روایت میں یہ بات ایک خبر کے طور پر نقل ہوئی ہے۔لیکن جیسا کہ ہم متون میں بیان کرچکے ہیں کہ یہ جملے ''اے بنی آدم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا'' کے لیے استدلال کے طور پر آئے ہیں۔اس صورت میں یہ انفاق کی ترغیب کے موقع پر کہے گئے جملے ہیں۔انفاق میں انسان کی کمزوری کا ایک باعث انسان کا یہ احساس ہے کہ اس نے جو کچھ کمایا ہے اور پس انداز کر کے رکھا ہے، انفاق کے نتیجے میں اس میں کمی واقع ہو جائے گی اور اسے بازیاب کرنا ممکن نہیں ہوگا۔گویا یہ انسان کے اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر اعتماد میں کمی کا مظہر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ جس کے دیے سے تم دیتے ہو،اس کے خزانے معمور ہیں۔اس کی نعمتیں ہمہ وقت برستی رہتی ہیں۔ان نعمتوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کہ تم کسی اندیشے میں مبتلا ہوکر اپنا ہاتھ روک لو۔

''اے بنی آدم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا'' یہ جملہ بظاہر ایک وعدے کا جملہ معلوم ہوتا ہے۔اگر اسے آخرت سے متعلق مان لیا جائے تو اس میں کوئی الجھن نہیں ہے۔آخرت میں ہر عمل کا اجر دیا جائے گا، یہ خدا کا وعدہ ہے اور یہ وعدہ ہر حال میں پورا ہوگا۔اگر اسے دنیا سے متعلق مانا جائے تو یہ کسی وعدے کا جملہ نہیں ہے کہ جب بھی کوئی بندہ خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ لازماً اس پر خرچ کریں گے۔اس صورت میں اس سے مراد صرف یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو یاس یا اندیشوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔وہ خرچ کرے، رزق کا معاملہ خدا پر ہے اور رزق میں کمی بیشی کا باعث محض اپنی تدبیر کو نہ سمجھے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہیں جو اپنے آزمایش کے اصول کے تحت کسی کو کشادہ دست رکھتے ہیں اور کسی کو تنگ دست۔ یہ اسی طرح کا جملہ ہے جس طرح کا جملہ قرآن مجید میں قتل اولاد سے روکنے کے لیے آیا ہے۔سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

لَا تَقۡتُلُوۡٓا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ نَحۡنُ نَرۡزُقُھُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ۔ (۱۷: ۳۱)

''اپنی اولاد کو تنگ دستی کے اندیشے کے تحت قتل نہ کرو۔ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔''

اس آیت میں بھی انسان کو اس غلط فہمی سے نکالنا مقصود ہے کہ وہ خدا کے رازق ہونے کے معاملے کو نظر انداز کر کے محض اندیشوں کی بنیاد پر قتل نفس، بلکہ اس سے بھی آگے قتل اولاد جیسے جرم کا ارتکاب نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بات واضح کی ہے کہ رزق کے بارے میں اندیشوں میں مبتلا ہو کر انسان خرچ کرنے میں دریغ نہ کرے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس روایت میں دوسری بات یہ بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔ روایت کی یہ بات قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔ عام طور پر شارحین نے اسے ایک مستقل معاملے کی حیثیت سے لیا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں یہ بات بیان ہوئی ہے، وہاں اس کے معنی یہ نہیں ہیں، بلکہ اس سے ہماری اس دنیا کے ایک دور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ہود ۱۱: ۷)	''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تمھیں جانچے کہ کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

'و كان عرشه على الماء' عرش خدا کی حکومت کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ کہ اس کرۂ ارض کی خشکی نمودار ہونے سے پہلے پہلے یہ سارا کرہ مائی تھا اور اللہ کی حکومت اس پر تھی۔ پھر پانی سے خشکی نمودار ہوئی اور زندگی کی مختلف النوع انواع ظہور میں آئیں اور درجہ بدرجہ یہ پورا عالم ہستی آباد ہوا۔ یہی بات تورات میں بھی بیان ہوئی ہے اگرچہ اس کے مترجموں نے مطلب خبط کر دیا ہے۔ کتاب پیدایش کی پہلی ہی آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۱۰۹)

تیسری بات زمین و آسمان میں قائم میزان سے متعلق ہے۔ اس کی وضاحت ہم سابقہ روایت کے جملے 'يخفض القسط و يرفعه' کے تحت تفصیل سے کر چکے ہیں۔ یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

کتابیات

بخاری: کتاب تفسیر القرآن، رقم ۴۳۱۶؛ کتاب النفقات، رقم ۴۹۳۳؛ کتاب التوحید، رقم ۶۸۶۲، ۶۸۶۹۔ مسلم: کتاب الزکوٰۃ، رقم ۱۶۵۸، ۱۶۵۹۔ ابن ماجہ: المقدمہ، رقم ۱۹۳۔ احمد، رقم ۶۹۹۷، ۷۷۹۳، ۷۸۰۶، ۹۶۰۶، ۱۰۰۹۶۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۲۶۰۔ مسند الحمیدی، رقم ۱۰۶۷۔ السنن الکبریٰ، رقم ۱۱۲۳۹۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com